

تفہیم القرآن

الطلاق

(۲)

اور عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔
(زمانہ عدت میں) نہ تم انہیں اُن کے گھروں سے نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کسی

۱۷ اس حکم کا خطاب مردوں سے بھی ہے اور عورتوں سے بھی اور ان کے خاندان والوں سے بھی مطلب یہ ہے کہ طلاق کو کھیل نہ سمجھو بیٹھو کہ طلاق کا اہم معاملہ پیش آنے کے بعد یہ بھی یاد نہ رکھا جائے کہ کب طلاق دی گئی ہے، کب عدت شروع ہوئی اور کب اس کو ختم ہوتا ہے۔ طلاق ایک نہایت نازک معاملہ ہے جس سے عورت اور مرد اور اُن کی اولاد اور اُن کے خاندان کے لیے بہت سے قانونی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے جب طلاق دی جائے تو اس کے وقت اور تاریخ کو یاد رکھا جائے، اور یہ بھی یاد رکھا جائے کہ کس حالت میں عورت کو طلاق دی گئی ہے، اور حساب لگا کر دیکھا جائے کہ عدت کا آغاز کب ہوا ہے، کب تک وہ باقی ہے، اور کب وہ ختم ہو گئی۔ اسی حساب پر ان امور کا فیصلہ موقوف ہے کہ شوہر کب تک رجوع کا حق ہے، کب تک اسے عورت کو گھر میں رکھنا ہے، کب تک اس کا نفقہ دینا ہے، کب تک وہ عورت کا وارث ہو گا اور عورت اس کی وارث ہو گی، کب عورت اس سے جدا ہو جائے گی اور اسے دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر یہ معاملہ کسی مفردہ کی صورت اختیار کر جائے تو عدالت کو بھی صحیح فیصلہ کرنے کے لیے طلاق کی صحیح تاریخ اور وقت اور عورت کی حالت معلوم ہونے کی ضرورت ہو گی، کیونکہ اس کے بغیر وہ مدخولہ اور غیر مدخولہ، حاملہ اور غیر حاملہ، بے حیض اور باحیض، راجعہ اور غیر راجعہ عورتوں کے معاملہ میں طلاق سے پیدا شدہ مسائل کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی۔

۱۸ یعنی نہ مرد غفٹے میں آکر عورت کو گھر سے نکال دے، اور نہ عورت خود ہی بگڑ کر گھر چھوڑ دے۔ عدت

صریح برائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو یا انہیں بھلے طریقے سے (اپنے

تک گھراس کا ہے۔ اسی گھر میں دونوں کو رہنا چاہیے، تاکہ باہم موافقت کی کوئی صورت اگر نکل سکتی ہو تو اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ طلاق اگر رجعی ہو تو کسی وقت بھی شوہر کی طبیعت بیوی کی طرف مائل ہو سکتی ہے، اور بیوی بھی اختلاف کے سبب کو دور کر کے شوہر کو راضی کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ دونوں ایک گھر میں موجود رہیں گے تو تین مہینے تک، یا تین حیض آنے تک، یا حمل کی صورت میں وضع حمل تک اس کے مواقع بارہا پیش آسکتے ہیں۔ لیکن اگر مرد جلد بازی کر کے اسے نکال دے، یا عورت ناجبھی سے کام لے کر میکے جا بیٹھے تو اس صورت میں رجوع کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں اور بالعموم طلاق کا انجام آخر کار مستقل علیحدگی ہو کر رہتا ہے۔ اسی لیے فقہاء نے یہاں تک کہا ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں جو عورت عدت گزار رہی ہو اسے بناؤ سنگھار کرنا چاہیے تاکہ شوہر اس کی طرف مائل ہو (ہدایہ۔ الانصاف)۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں انفاق ہے کہ مطلقہ رجعیہ کو عدت کے زمانے میں سکونت اور نفقہ کا حق ہے، اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے جائے، اور مرد کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اسے گھر سے نکالے۔ اگر مرد اسے نکالے گا تو گناہ گار ہو گا، اور عورت اگر خود نکلے گی تو گناہ گار بھی ہوگی اور نفقہ و سکونت کے حق سے بھی محروم ہو جائے گی۔

۵۴ اس کے متعدد مطلب مختلف فقہاء نے بیان کیے ہیں۔ حضرت حسن بصری، عامر شیبلی، زبید بن اسلم، ضحاک، مجاہد، عکرمہ، ابن زبید، حماد اور کثیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدکاری ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدزبانی ہے، یعنی یہ کہ طلاق کے بعد بھی عورت کا مزاج درستی پر نہ آئے، بلکہ وہ عدت کے زمانے میں شوہر اور اس کے خاندان والوں سے جھگڑتی اور بدزبانی کرتی رہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نشوز ہے، یعنی عورت کو نشوز کی بنا پر طلاق دی گئی ہو اور عدت کے زمانے میں بھی وہ شوہر کے مقابلے پر سرکشی کرنے سے باز نہ آئے۔ عبد اللہ بن عمر، ستدی، ابن السائب اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورت کا گھر سے نکل جانا ہے، یعنی ان کی رائے میں طلاق کے بعد عدت کے زمانے میں عورت کا گھر چھوڑ کر نکل جانا بجائے خود فاحشہ مبینہ صریح برائی کا ارتکاب ہے، اور یہ ارشاد کہ

”وہ نہ خود نکلیں الایہ کہ صریح برائی کی مرتکب ہوں“ کچھ اس طرح کا کلام ہے جیسے کوئی کہے کہ ”تم کسی کو گللی نہ دو الایہ کہ بد تمیز بنو“ ان چار اقوال میں سے پہلے تین قولوں کے مطابق ”الایہ“ کا تعلق ”ان کو گھروں سے نہ نکالو“ کے ساتھ ہے اور اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ بد چلنی یا بد زبانی یا نشوونما کی مرتکب ہوں تو انہیں نکال۔ بنا جائز ہو گا۔ اور چوتھے قول کی رو سے اس کا تعلق ”اور نہ وہ خود نکلیں“ کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ نکلیں گی تو صریح برائی کی مرتکب ہوں گی۔

۵۵۔ یہ دونوں فقرے اُن لوگوں کے خیال کی بھی تردید کرتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے یا بیک وقت تین طلاق دے دینے سے کوئی طلاق سہ سے واقع ہی نہیں ہوتی، اور اُن لوگوں کی رائے کو بھی غلط ثابت کر دیتے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق ایک ہی طلاق کے حکم میں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر بذریعہ طلاق واقع ہی نہیں ہوتی یا تین طلاق ایک ہی طلاق رجعی کے حکم میں ہیں، تو یہ کنسی کی آخر ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے کہ جو اللہ کی حدود، یعنی سنت کے بتائے ہوئے طریقے کی خلاف ورزی کرے گا وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا، اور تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے؟ یہ دونوں باتیں تو اسی صورت میں با معنی ہو سکتی ہیں جبکہ سنت کے خلاف طلاق دینے سے واقعی کوئی نقصان ہوتا ہو جس پر آدمی کو کچھ تانا پڑے، اور تین طلاق بیک وقت دے بیٹھنے سے رجوع کا کوئی امکان باقی نہ رہتا ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو طلاق واقع ہی نہ ہو اس سے حدود اللہ پر کوئی تعدی نہیں ہوتی جو اپنے نفس پر ظلم قرار پائے، اور جو طلاق بہر حال رجعی ہی ہو اس کے بعد تو لازماً موافقت کی صورت باقی رہتی ہے پھر یہ کہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس مقام پر ایک مرتبہ پھر سورہ بقرہ کی آیات ۲۲۸ تا ۲۳۰ اور سورہ طلاق کی نزوح آیات کے باہمی تعلق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ سورہ بقرہ میں طلاق کا نصاب میں بتایا گیا ہے، جہاں سے دو کے بعد رجوع کا حق، اور عدت گزار جانے کے بعد بلا تحلیل دوبارہ نکاح کر لینے کا حق باقی رہتا ہے، اور تیسری طلاق دے دینے سے یہ دونوں حق ساقط ہو جاتے ہیں۔ سورہ طلاق کی یہ آیات اس حکم میں کسی ترمیم و تفسیح کے بیخیز نہیں ہوتی ہیں، بلکہ یہ بتانے کے لیے نازل ہوئی ہیں کہ بیویوں کو طلاق دینے کے جو اختیارات مردوں کو دیے گئے ہیں اُن کو استعمال کرنے کی دانتھن دانہ صورت کیا ہے جس کی پیروی اگر کی جائے تو گھر بگڑنے سے بچ سکتے ہیں، طلاق دے کر کچھ پانے

نکاح میں) روک رکھو، یا بھلے طریقے پر ان سے جدا ہو جاؤ۔ اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنا لو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں۔ اور اے گواہ بننے والو! گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے ادا کرو۔

کی نوبت پیش نہیں آسکتی، موافقت پیدا ہونے کے زیادہ سے زیادہ مواقع باقی رہتے ہیں، اور اگر بالآخر علیحدگی ہو بھی جائے تو یہ آخری چارہ کار رکھلا رہتا ہے کہ پھر مل جانا چاہیں تو دوبارہ نکاح کریں۔ لیکن اگر کوئی شخص نادانی کے ساتھ اپنے ان اختیارات کو غلط طریقے سے استعمال کر بیٹھے تو وہ اپنے امیر پر خود ظلم کرے گا اور تلافی کے تمام مواقع کھو بیٹھے گا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک باپ اپنے بیٹے کو تین سو روپے دے اور کہے کہ یہ تمہاری ملکیت ہیں، ان کو تم اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے مختار ہو پھر وہ اسے نصیحت کرے کہ اپنے اس مال کو جو میں نے تمہیں دے دیا ہے، اس طرح احتیاط کے ساتھ بر محل اور بتدریج استعمال کرنا تاکہ تم اس سے صحیح فائدہ اٹھا سکو، ورنہ میری نصیحت کے خلاف تم یہی احتیاطی کے ساتھ اسے بے موقع خرچ کر دو گے یا ساری رقم بیک وقت خرچ کر بیٹھو گے تو نقصان اٹھاؤ گے اور پھر مزید کوئی رقم میں تمہیں برباد کرنے کے لیے نہیں دوں گا۔ یہ ساری نصیحت ایسی صورت میں بے معنی ہو جاتی ہے جبکہ باپ نے پوری رقم سرے سے اس کے ہاتھ میں پھوڑی ہی نہ ہو، وہ بے موقع خرچ کرنا چاہے تو رقم اس کی جیب سے نکلے ہی نہیں، یا پورے تین سو خرچ کر ڈالے تب بھی ایک سو ہی اس کے ہاتھ سے نکلیں اور دو سو بہر حال اس کی جیب میں پڑے رہیں۔ صورت معاملہ اگر یہی ہو تو اس نصیحت کی آخر حاجت کیا ہے؟

۵۶ یعنی ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے فیصلہ کر لو کہ آیا عورت کو اپنی زوجیت میں رکھنا ہے یا نہیں۔ رکھنا ہو تو نباہنے کی غرض سے رکھو، اس غرض سے نہ رکھو کہ اس کو تانے کے لیے رجوع کر لو اور پھر طلاق دے کر اس کی عدت لمبی کرتے رہو۔ اور اگر رخصت کرنا ہو تو شریعت آدمیوں کی طرح کسی لڑائی جھگڑے کے بغیر رخصت کرو، مہر یا اس کا کوئی حصہ باقی ہو تو ادا کر دو، اور حسب توفیق کچھ نہ کچھ منقذہ طلاق کے طور پر دو، جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۲۴۱ میں ارشاد ہوا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، الاحزاب، حاشیہ ۸۶)۔

۵۷ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے مراد طلاق پر بھی گواہ بنا نا ہے اور رجوع پر بھی (ابن جریر)۔ حضرت

یہ باتیں ہیں جن کی تم لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے، ہر اس شخص کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جہاں اس کا

عزیز بن حُصَین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر اس سے رجوع کر لیا، مگر نہ طلاق پر کسی کو گواہ بنایا نہ رجوع پر۔ انہوں نے جواب دیا "تم نے طلاق بھی سنت کے خلاف دی اور رجوع بھی سنت کے خلاف کیا۔ طلاق اور رجوع دونوں پر گواہ بناؤ اور آئندہ ایسا نہ کرنا" (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)۔ لیکن فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ طلاق اور رجوع اور فرقت پر گواہ بنانا، ان افعال کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے کہ اگر گواہ نہ بنایا جائے تو نہ طلاق واقع ہو نہ رجوع صحیح ہو اور نہ فرقت، بلکہ یہ حکم اس احتیاط کے لیے دیا گیا ہے کہ فریقین میں سے کوئی بعد میں کسی واقعہ کا انکار نہ کر سکے، اور نزاع پیدا ہونے کی صورت میں باآسانی فیصلہ ہو سکے، اور شکوک و شبہات کا دروازہ بھی بند ہو جائے۔ یہ حکم بالکل ایسا ہی ہے جیسے فرمایا "مَا شَهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ"؛ "جب تم آپس میں بیع کا کوئی معاملہ طے کرو تو گواہ بناؤ" (البقرہ۔ ۲۸۲)۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیع پر گواہ بنانا فرض ہے اور اگر گواہ نہ بنایا جائے تو بیع صحیح نہ ہوگی، بلکہ یہ ایک حکیمانہ ہدایت ہے جو نزاعات کا سدباب کرنے کے لیے دی گئی ہے اور اس پر عمل کرنے ہی میں بہتری ہے۔ اسی طرح طلاق اور رجوع کے معاملہ میں بھی صحیح بات یہی ہے کہ ان میں سے ہر فعل گواہوں کے بغیر بھی قانوناً درست ہو جاتا ہے، لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جو فعل بھی کیا جائے، اسی وقت یا اس کے بعد دو صاحب عدل آدمیوں کو اس پر گواہ بنالیا جائے۔

۵۷۔ یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ اور پر جو ہدایات دی گئی ہیں وہ نصیحت کی حیثیت رکھتی ہیں نہ کہ قانون کی۔ آدنی سنت کے خلاف طلاق دے بیٹھے، عدت کا شمار محفوظ نہ رکھے، بیوی کو بلا عذر معقول گھر سے نکال دے، عدت کے خاتمے پر رجوع کرے تو عورت کو ستانے کے لیے کرے اور رخصت کرے تو لڑائی جھگڑے کے ساتھ کرے، اور طلاق اور رجوع، مفارقت، کسی چیز پر بھی گواہ نہ بنائے، تو اس سے طلاق اور رجوع اور مفارقت کے قانونی نتائج میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت کے خلاف عمل کرنا اس بات کی دلیل ہوگا کہ اس کے دل میں اللہ اور روزِ آخر پر صحیح ایمان موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اس نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو ایک سچے مومن کو اختیار نہ کرنا چاہیے۔

گھٹن بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔

۱۹ سیاق کلام خود تار رہا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کام کرنے کا مطلب سنت کے مطابق طلاق دینا، عدت کا ٹھیک ٹھیک حساب رکھنا، بیوی کو گھر سے نہ نکالنا، عدت کے اختتام پر عورت کو روکنا ہونو نباہ کرنے کی نیت سے رجوع کرنا اور علیحدگی ہی کرنی ہو تو بھلے آدمیوں کی طرح اس کو رخصت کر دینا، اور طلاق، رجوع یا مفارقت، جو بھی ہو، اس پر دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالینا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو اس طرح تقویٰ سے کام لے گا اس کے لیے ہم کوئی مخرج (یعنی مشکلات سے نکلنے کا راستہ) نکال دیں گے۔ اس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو شخص ان امور میں تقویٰ سے کام نہ لے گا وہ اپنے لیے خود ایسی الجھنیں اور مشکلات پیدا کرے گا جن سے نکلنے کا کوئی راستہ اسے نہ مل سکے گا۔

ان الفاظ پر غور کیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک طلاق بدعی سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی اور جو لوگ بیک وقت یا ایک ہی طہر میں دی ہوئیں تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیتے ہیں، ان کی رائے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر طلاق بدعی واقع ہی نہ ہو تو سرے سے کوئی الجھن پیش نہیں آتی جس سے نکلنے کے لیے کسی مخرج کی ضرورت ہو۔ اور اگر تین طلاق اکٹھی دے بیٹھنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہو، تب بھی مخرج کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں آخر وہ پیچیدگی کیا ہے جس سے نکلنے کے لیے کسی راستے کی حاجت پیش آنے؟

۲۰ مراد یہ ہے کہ عدت کے دوران میں مطلقہ بیوی کو گھر میں رکھنا، اس کا خرچ برداشت کرنا، اور رخصت کرتے ہوئے اس کو نہر یا منقحہ طلاق دے کر رخصت کرنا بلاشبہ آدمی پر مالی بار ڈالتا ہے۔ جس عورت سے آدمی دل برداشتہ ہو کر تعلقات منقطع کر لینے پر آمادہ ہو چکا ہو، اس پر مال خرچ کرنا تو اسے ضرور ناگوار ہوگا۔ اور اگر آدمی تنگ دست بھی ہو تو یہ خرچ اسے اور زیادہ کھلے گا۔ لیکن اللہ سے ڈرنے والے آدمی کو یہ سب کچھ برداشت کرنا چاہیے۔ تمہارا دل تنگ ہو تو ہو، اللہ کا ہاتھ رزق دینے کے لیے تنگ نہیں ہے۔ اس کی ہدایت پر چل کر مال خرچ کرو گے تو وہ ایسے راستوں سے تمہیں رزق دے گا جو صرے رزق ملنے کا تم گمان بھی نہیں کر سکتے۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے باہر ہو چکی ہوں ان کے معاملہ میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور یہی حکم ان کا ہے

۱۱ یعنی کوئی طاقت اللہ کے حکم کو نافذ ہونے سے روکنے والی نہیں ہے۔

۱۲ یہ ان عورتوں کا حکم ہے جن کو حیض آنا قطعاً بند ہو چکا ہو اور کبر سن کی وجہ سے وہ سن ایسا میں داخل ہو چکی ہوں۔ ان کی عدت اس روز سے شمار ہوگی جس روز انہیں طلاق دی گئی ہو۔ اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئی ہو تو بالانفاق رویت ہلال کے لحاظ سے عدت شمار ہوگی، اور اگر مہینے کے بیچ میں کسی وقت طلاق دی گئی ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۳۰ دن کا مہینہ قرار دے کر ۳ مہینے پورے کرنے ہوں گے (بدائع الصنائع)۔

۱۳ وہ عورتیں جن کے حیض میں کسی نوع کی سبب سے قاعدگی ہو، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر ایک دو مرتبہ حیض آنے کے بعد اس کا حیض بند ہو گیا ہو، وہ ۹ مہینے انتظار کرے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ ۹ مہینے گزرنے کے بعد وہ مزید تین مہینے عدت گزارے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کے لیے حلال ہوگی۔

ابن عباسؓ، قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال بھر حیض نہ آیا ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

طاؤس کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال میں ایک مرتبہ حیض آئے اس کی عدت تین مہینے ہے۔ یہی رائے حضرت

عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے۔

امام مالک کی روایت ہے کہ ایک صاحب بخان نامی تھے جنہوں نے اپنی بیوی کو ایسے زمانے میں طلاق دی

جبکہ وہ بچے کو دو دوہلا رہی تھیں اور اس پر ایک سال گزر گیا مگر انہیں حیض نہ آیا۔ پھر وہ صاحب انتقال کر گئے مطلقہ

بیوی نے وراثت کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت

زید بن ثابت سے مشورہ طلب کیا۔ دونوں بزرگوں کے مشورے سے حضرت عثمانؓ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت

وارث ہے۔ دلیل یہ تھی کہ نہ وہ انہی عورتوں میں سے ہے جو حیض سے باہر ہو چکی ہیں اور نہ ان بڑکیوں میں

جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ اُن کا وضع حمل ہو جائے۔

سے ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا، لہذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اُس حیض پر تھی جو اُسے پہلے آیا تھا اور اس کی عدت باقی تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کا حیض بند ہو گیا ہو، مگر اس کا بند ہونا سن اباس کی وجہ سے نہ ہو کہ آئندہ اس کے جاری ہونے کی امید نہ رہے، اس کی عدت یا تو حیض ہی سے ہوگی اگر وہ آئندہ جاری ہو، یا پھر اُس عمر کے لحاظ سے ہوگی جس میں عورتوں کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ تین مہینے عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہوگی۔ یہی قول امام شافعی، امام ثوری اور امام لیث کا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت کا ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت پہلے ۹ مہینے گزارے گی۔ اگر اس دوران میں حیض جاری نہ ہو تو پھر وہ تین مہینے اُس عورت کی سی عدت گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ ابن القاسم نے امام مالک کے مسلک کی تفسیر یہ کی ہے کہ ۹ مہینے اُس روز سے شمار ہوں گے جب آخری مرتبہ اس کا حیض ختم ہوا تھا نہ کہ اُس روز سے جب اسے طلاق دی گئی۔ دیکھ تمام تفصیلات احکام القرآن للمصاحف اور بدائع الصنائع للکاسانی سے ماخوذ ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کی عدت حیض کے اعتبار سے شروع ہوتی تھی، عدت کے دوران میں آئسہ ہو جائے تو اسے حیض والی عورتوں کے بچانے آئسہ عورتوں والی عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کو حیض آنا بند ہو جائے اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیوں بند ہو گیا ہے تو پہلے وہ محل کے شہدہ میں ۹ مہینے گزارے گی اور پھر اسے تین مہینے عدت کے پورے کرنے ہوں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کیوں بند ہوا ہے، مثلاً کوئی بیماری ہو یا دودھ پلانا ہی ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو وہ اُس وقت تک عدت میں رہے گی جب تک یا تو حیض آنا شروع نہ ہو جائے اور عدت حیضوں کے لحاظ سے شمار ہو سکے، یا پھر وہ آئسہ ہو جائے اور آئسہ عورتوں کی سی عدت گزار کے (الانصاف)۔

۱۲۔ حیض خواہ کم سنی کی وجہ سے نہ آیا ہو، یا اس وجہ سے کہ بعض عورتوں کو نیت دیر میں حیض آنا شروع

ہوتا ہے اور شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی عورت کو عمر بھر نہیں آتا، بہر حال تمام صورتوں میں ایسی عورت کی عدت وہی ہے جو آئسہ عورت کی عدت ہے، یعنی طلاق کے وقت سے تین مہینے۔

اس جگہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق عدت کا سوال اُس عورت کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے شوہر خلوت کر چکا ہو، کیونکہ خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں سرے سے کوئی عدت ہے ہی نہیں (الاحزاب، ۴۹)۔ اس لیے ایسی لڑکیوں کی عدت بیان کرنا جنہیں حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز کو قرآن نے جائز قرار دیا ہو اسے ممنوع قرار دینے کا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا۔

جس لڑکی کو ایسی حالت میں طلاق دی گئی ہو کہ اسے ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، اور پھر عدت کے دوران میں اس کو حیض آجائے، تو وہ پھر اسی حیض سے عدت شروع کرے گی اور اس کی عدت ماضیہ عورتوں جیسی ہوگی۔

۱۴۔ اس امر پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ آیا یہ حکم اُس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانہ حمل میں وفات پا گیا ہو، یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ سورہ بقرہ آیت ۲۳۴ میں اُس عورت کی عدت ۴ مہینے دس دن بیانی کی گئی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے، اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم آیا تمام بیوہ عورتوں کے لیے عام ہے یا اُن عورتوں کے لیے خاص ہے جو حاملہ نہ ہوں۔

حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو وضع حمل تک ہی ہے، مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخر الأجلین ہے، یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس کا پھر ۴ مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو اسے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی، اور اگر اس کا وضع حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اُس وقت پوری ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سورہ طلاق کی یہ آیت سورہ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لیے خاص کر دیا ہے اور برہ حالہ کی عدت وضع حمل تک مقرر کر دی ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضع حمل چاہے شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے یا مہینے دس دن سے زیادہ طویل کھینچے، برہاں بچہ پیدا ہوتے ہی وہ عدت سے باہر ہو جائے گی۔ اس مسلک کی تائید حضرت ابی بن کعب کی یہ روایت کرتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں، جب سورہ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟ حضور نے جواب دیا ہاں۔ دوسری روایت میں حضور نے مزید تصریح فرمائی اجل کل حامل ان تضع ما فی بطنہا، ”برہ حالہ عورت کی عدت کی مدت اس کے وضع حمل تک ہے۔“ ابن جریر، ابن ابی حاتم۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں غلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ متعدد سندوں سے نقل ہوئی ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی مضبوط تائید بیئعہ سلمیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ وہ بحالت حمل بیوہ ہوئی تھیں اور شوہر کی وفات کے چند روز بعد بعض روایات میں ۲۰ دن، بعض میں ۲۳ دن، بعض میں ۲۵ دن، بعض میں ۴۰ دن اور بعض میں ۳۵ دن بیان ہوئے ہیں، ان کا وضع حمل ہو گیا تھا۔ حضور سے ان کے معاملہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے کئی طریقوں سے حضرت اُم سلمہ سے روایت کیا ہے۔ اسی واقعہ کو بخاری، مسلم، امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت مشور بن مخزوم سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے خود بیئعہ سلمیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت سعد بن شوہلہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے زمانے میں میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ میں حاملہ تھی۔ وفات کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ تم چار مہینے دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہو چکی ہو، اب چاہو تو دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔ اس روایت کو بخاری نے بھی مختصراً نقل کیا ہے صحابہ کی کثیر تعداد سے یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے حاملہ بیوہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی عدت

جو شخص اللہ سے ڈرے اُس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دُور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔

وضع حمل تک ہے۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت عمر نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر شوہر ابھی دفن بھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی لاش اس کے بستر پر ہی ہو اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔ یہی رائے حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت عائشہ کی ہے، اور اسی کو ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

شافیہ کہتے ہیں کہ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو آخری بچے کی ولادت پر عدت ختم ہوگی۔ بچہ خواہ مُردہ ہی پیدا ہو، اس کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی۔ استسقاء حمل کی صورت میں اگر دایاں اپنے فن کی رو سے یہ کہیں کہ یہ محض خون کا لوتھڑا نہ تھا بلکہ اس میں آدمی کی صورت پائی جاتی تھی، یا یہ رسولی نہ تھی بلکہ آدمی کی اصل تھی تو ان کا قول قبول کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی (مغنی المحتاج)۔ حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر استسقاء کے معاملہ میں ان کا مذہب یہ ہے کہ جب تک انسانی بناوٹ ظاہر نہ پائی جائے، محض دایوں کے اس بیان پر کہ یہ آدمی ہی کی اصل ہے، اعتماد نہیں کیا جائے گا اور اس سے عدت ختم نہ ہوگی (بدائع الصنائع۔ الانصاف)۔ لیکن موجودہ زمانے میں طبی تحقیقات کے ذریعہ سے یہ معلوم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی کہ جو چیز ساقط ہوئی ہے وہ واقعی انسانی حمل کی نوعیت رکھتی تھی یا کسی رسولی یا بچے ہوئے خون کی قسم سے تھی، اس لیے اب جہاں ڈاکٹروں سے رائے حاصل کرنا ممکن ہو وہاں یہ فیصلہ آسانی کیا جاسکتا ہے کہ جس چیز کو استسقاء حمل کہا جاتا ہے وہ واقعی استسقاء تھا یا نہیں اور اس سے عدت ختم ہوئی یا نہیں۔ البتہ جہاں ایسی طبی تحقیق ممکن نہ ہو وہاں حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ مبنی بر احتیاط ہے اور جاہل دایوں پر اعتماد کرنا مناسب نہیں ہے۔

۱۵ یہ اگرچہ ایک عمومی نصیحت ہے جس کا اطلاق انسانی زندگی کے تمام حالات پر ہوتا ہے، لیکن اس خاص سیاق و سباق میں اسے ارشاد فرمانے کا مقصد مسلمانوں کو خبردار کرنا ہے کہ اوپر جو احکام بیان کیے گئے ہیں،

اُن کو (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو۔ اور انہیں تنگ کرنے کے لیے ان کو نہ شتاؤ۔

اُن سے خواہ تمہارے اوپر کتنی ہی ذمہ داریوں کا بوجھ پڑتا ہو، بہر حال خدا سے ڈرتے ہوئے اُن کی پیروی کرو، اللہ تمہارے کام آسان کرے گا، تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تمہیں بڑا اجر دے گا۔ ظاہر ہے کہ جن مطلقہ عورتوں کی عدت تین مہینے مقرر کی گئی ہے ان کا زمانہ عدت اُن عورتوں کی بہ نسبت طویل تر ہو گا جن کی عدت تین جنس مقرر کی گئی ہے۔ اور حاملہ عورت کا زمانہ عدت تو اس سے بھی کئی مہینے زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس پورے زمانے میں عورت کی سکونت اور اس کے نفقہ کی ذمہ داری اٹھانا، جبکہ آدنی اسے چھوڑ دینے کا ارادہ کر چکا ہو، لوگوں کو ناقابل برداشت بار محسوس ہو گا۔ لیکن جو بار اللہ سے ڈرتے ہوئے، اللہ کے احکام کی پیروی میں اٹھایا جائے، اللہ کا وعدہ ہے کہ اپنے فضل سے وہ اس کو ہلکا کر دے گا اور اس کی اتنی بھاری جزا دے گا جو دنیا میں اٹھائے ہوئے اس غھوڑے سے بار کی بہ نسبت بہت زیادہ گراں قدر ہوگی۔

۱۵۶ اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کو اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو شوہر پر اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو، تو خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو یا قطعی طور پر الگ کر دینے والی، بہر حال اس کے وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہو گا۔ اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہوا ہے کہ آیا مطلقہ مُبْتَدِئَةٌ (یعنی جسے قطعی طور پر الگ کر دینے والی طلاق دی گئی ہو) سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے یا صرف سکونت کا حق رکھتی ہے، یا دونوں میں سے کسی کی بھی حق دار نہیں ہے؟

ایک گروہ کتاب ہے کہ وہ سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے۔ یہ رائے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین)، قاضی شریع اور ابراہیم نخعی کی ہے۔ اسی کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، اور امام سفیان ثوری اور حسن بن صالح کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید دار قطنی کی اُس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المطلقۃ ثلاثا لہا السکنی والنفقۃ۔ جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں اس کے لیے زمانہ عدت میں سکونت اور نفقہ کا

ہوا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

تیسرا گروہ کتاب ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ یہ مسلک حسن بصری، حماد، ابن ابی یعلیٰ، عمرو بن دینار، طاؤس، اسحاق بن راہویہ، اور ابو ثور کا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ تجب سکنی لمعتدة طلاق حائل او حامل ولا بائن..... والحائل البائن لافقة لها ولا كسوة۔ طلاق کی بنا پر جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے سکونت کا حق واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، مگر بائنہ کے لیے واجب نہیں ہے..... اور غیر حاملہ بائنہ کے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ کپڑا۔ اس مسلک کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی اس آیت سے ہے کہ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهُ يُمْدِدُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْراً، تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ موانعت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بات مطلقہ رجوعیہ کے حق ہی میں درست ہو سکتی ہے نہ کہ مبتوتہ کے حق میں۔ اس لیے مطلقہ کو گھر میں رکھنے کا حکم بھی رجوعیہ ہی کے لیے خاص ہے۔ دوسرا استدلال فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے ہے جسے کتب حدیث میں بکثرت صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

یہ فاطمہ بنت قیس الغزیریہ اولین مہاجرہات میں سے تھیں، بڑی عاقلہ سمجھی جاتی تھیں، اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر اصحاب شوریٰ کا اجتماع انہی کے ہاں ہوا تھا۔ یہ پہلے ابو عمرو بن حفص بن المغیرۃ المخزومی کے نکاح میں تھیں، پھر ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا، اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کیا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو پہلے ان کو دو طلاق دے چکے تھے۔ پھر جب حضرت علی کے ساتھ دو مہینے بھیجے گئے تو انہوں نے وہاں سے باقی ماندہ تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ ابو عمرو ہی نے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجا تھا کہ عدت کے زمانے میں ان کو گھر میں رکھیں اور ان کا خرچ برداشت کریں۔ اور بعض میں یہ ہے کہ انہوں نے خود نفقہ و سکونت کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور حضور نے فیصلہ فرمایا

کہ نہ تمہارے لیے نفقہ ہے نہ سکونت۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا انما النفقة والسكنى للمرأة على زوجها ما كانت له عليها رجعة، فاذا لم يكن له عليها رجعة فلا نفقة ولا سكنى۔ عورت کا نفقہ اور اس کی سکونت تو شوہر پر اس صورت میں واجب ہے جبکہ شوہر کو اس پر رجوع کا حق ہو۔ مگر جب رجوع کا حق نہ ہو تو نہ نفقہ ہے نہ سکونت“ (مسند احمد)۔ طبرانی اور نسائی نے بھی قریب قریب یہی روایت نقل کی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں فاذا كانت لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره فلا نفقة ولا سكنى۔ لیکن جب وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے تو پھر اس کے لیے نہ نفقہ ہے نہ سکونت۔ یہ حکم بیان کرنے کے بعد حضور نے ان کو پہلے ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ تم ابن اُم مکتوم کے ہاں رہو۔

لیکن اس حدیث کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے ان کے دلائل یہ ہیں:

اولاً، ان کو شوہر کے رشتہ داروں کا گھر چھوڑنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ بہت تیز زبان تھیں اور شوہر کے رشتہ دار ان کی بد مزاجی سے تنگ تھے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ان خاتون نے اپنی حدیث بیان کر کے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زبان دراز تھیں، اس لیے ان کو ابن اُم مکتوم کے ہاں رکھا گیا۔ (ابوداؤد) دوسری روایت میں سعید بن المسیب کا یہ قول منقول ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے زبان درازی کی تھی اس لیے انہیں اس گھر سے منتقل ہونے کا حکم دیا گیا تھا (جصاص)۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں ”ان کا گھر سے نکلنا دراصل بد مزاجی کی وجہ سے تھا“ (ابوداؤد)۔

ثانیاً، ان کی روایت کو حضرت عمر نے اُس زمانے میں رد کر دیا تھا جب بکثرت صحابہ موجود تھے اور اس معاملہ کی پوری تحقیقات ہو سکتی تھی۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر کو فاطمہ کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے فرمایا لست ابتادک ایتہ فی کتاب اللہ وقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقول امرأۃ یعلیٰھا اذہمت، سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لھا السکنی والنفقة۔ ”م کتاب اللہ کی ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جسے شاید کچھ وہم ہوا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مبتوتہ کے لیے سکونت کا حق

بھی ہے اور نفقہ کا بھی (حصص)۔ ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں انسودین زبید کے پاس کوفہ کی مسجد میں بیٹھا تھا۔ وہاں شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت انسودین نے شیخی کو ککریاں کھینچ ماریں اور کہا کہ حضرت عمر کے زمانے میں جب فاطمہ کی یہ روایت پیش کی گئی تھی تو انہوں نے کہا تھا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے رد نہیں کر سکتے، معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ اس کے لیے نفقہ اور سکونت بے اللہ کا حکم ہے لَا تُجْرُجُوهُنَّ مِنْ بَيْوتِنَهُنَّ۔ یہ روایت باختلاف الفاظ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں منقول ہوئی ہے۔

ثالثاً، مروان کے زمانہ حکومت میں جب مطلقہ بنتوتہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی تھی، حضرت عائشہ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت پر سخت اعتراضات کیے تھے۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا آپ کو فاطمہ کا قصہ معلوم نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا "فاطمہ کی حدیث کا ذکر نہ کرو تو اچھا ہے" (بخاری، بخاری نے دوسری روایت جو نقل کی ہے اس میں حضرت عائشہ کے الفاظ یہ ہیں "فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، وہ خدا سے ڈرتی نہیں؟" تیسری روایت میں حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا "فاطمہ کے لیے یہ حدیث بیان کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے" حضرت عروہ ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فاطمہ پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا اور کہا "وہ دراصل ایک خالی مکان میں تھیں جہاں کوئی مونس نہ تھا اس لیے ان کی سلامتی کی خاطر حضور نے ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرمائی تھی"۔

رابعاً، ان خاتون کا نکاح بعد میں اُسامہ بن زبید سے ہوا تھا، اور محمد بن اُسامہ کہتے ہیں کہ جب کبھی فاطمہ اس حدیث کا ذکر کرتیں میرے والد، جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگتی اٹھا کر ان پر دسے مارتے تھے (حصص)۔ ظاہر ہے کہ حضرت اُسامہ کے علم میں سنت اس کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث کی روایت پر اتنی ناراضی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

ملک غلام علی صاحب

(۵)

حضرت مجربین عدی کا قتل | حضرت مجربین عدی کے قتل کی جو رو داد مولانا مودودی نے خلافت و ملوکیت میں بیان کی ہے وہ کتاب کے دو صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا بیشتر حصہ "البلاغ" میں بھی نقل کر دیا گیا ہے، اس لیے اس کا دوبارہ یہاں درج کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قارئین چاہیں تو اصل کتاب یا "البلاغ" میں اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ "خلافت و ملوکیت" میں یہ واقعہ "آزاد ٹی اظہار رائے کا خاتمہ" کے زیر عنوان تحریر کیا گیا ہے۔ "البلاغ" میں اس واقعہ قتل پر بیس صفحات کا ایک جوابی تبصرہ سپرد قلم کیا گیا ہے جس کا ٹپ باب یہ ہے کہ حضرت مجربین عدی اور کچھ دوسرے "فتنہ پر داز" امت مسلمہ میں انتشار برپا کرنا چاہتے تھے، امیر معاویہ کے گورنروں اور پولیس سپرنٹنڈنٹ کو گالیاں دیتے اور ان پر پتھر پھینکتے تھے، جنگ کرتے تھے۔ غرض یہ کہ اسلامی حکومت کے خلاف جرم بناوت کے مرتکب تھے اور "ظاہر ہے کہ بغاوت کی سزا موت ہے" یہ واقعہ تاریخ میں جن تفصیلات کے ساتھ مروی ہے، ان کی موجودگی میں جناب محمد تقی صاحب عثمانی کے لیے اصل واقعہ کا انکار تو ممکن نہ تھا۔ مگر میری معلومات کے مطابق عثمانی صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے زعم میں حضرت مجربین عدی کو ارتکاب بناوت کی بنا پر جراح الہم اور واجب القتل ثابت کرنے میں اپنا پورا زور لگا دیا ہے۔ اس لیے اب یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ پہلے میں اسلام کا قانون بناوت اور اس کے بنیادی اصول پیش کروں اور پھر عثمانی صاحب سے سوال کروں گا کہ یہ اصول صحیح ہیں تو ان کی روشنی میں حضرت مجربین اور ان کے ساتھیوں کا خون بھانا کس حد تک روا اور حق بجانب تھا؟

اسلام کا قانون بناوت | اس مسئلے میں ہم سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دو آیتیں ایسی ہیں جو محاربوں و بناوت کے جرائم سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ پہلی المائدہ، آیت ۳۳، دوسری الحجرات، آیت ۹۔